حصہ مضامین

مضمون

1 رحمۃ للعالمین ﷺ

☆ تمہید ☆ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ☆ خاندان اور پرورش
☆ تجارت اور شادی ☆ اعلان نبوت اور مشکلات ☆ بائیکاٹ اور شعب ابی طالب کی زندگی
☆ عام الحزن ☆ معراج ☆ قوم کی سختیاں اور ہجرت
☆ غزوات ☆ فتح مکہ ☆ آپ پوری دنیا کے لیے رحمتہ العالمین
☆ خطبہ حجتہ الوداع ☆ وفات

آج سے چودہ سو سال پہلے عرب جہالت کے گھپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ان کے مذہب اور تہذیب وتمدن میں جھوٹے اور غلط نظریات شامل ہو چکے تھے۔ان کے سیاسی معاشی اور سماجی نظام ہائے زندگی میں مکمل بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ایسے حالات میں کسی ایسی طاقت کی ضرورت تھی جو عربوں کو ان مہلک امراض سے نجات دلا سکے۔ہندی، یونانی، رومی اور ایرانی عقائد اور ادیان پستی ہوئی انسانیت کو امن وسکون اور رحمت کا پیغام دینے سے قاصر تھے۔ہدایت کے تمام چراغ گل ہو چکے تھے۔یہ دور جہالت عربوں کی زندگی کے ہر شعبے میں غالب آ چکا تھا۔ڈاکہ زنی، قتل وغارت، چوری چکاری، شرک، بتوں کی پوجا، چھوٹی موٹی باتوں پر جنگیں اور نااتفاقی وغیرہ ان کی زندگی کا معمول بن چکی تھیں۔

ان مایوس کن حالات کو دیکھ کر رحمت باری تعالیٰ جوش میں آئی اور 20 اپریل 571ء مطابق 12 ربیع الاوّل کو حضرت آمنہؓ کے گھر ایک بچے نے آنکھ کھولی۔اس طرح پوری انسانیت کے لیے ایک نجات دہندہ بھیجا گیا۔آپ ﷺ کی ولادت سے چھ ماہ پہلے آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام ''محمد ﷺ'' رکھا اور آپ ﷺ کے گھر والوں نے ''احمد'' رکھا۔

محمد ﷺ مصطفیٰ صلی علی کی آج آمد ہے
حبیب کبریا صلی علی کی آج آمد ہے

آپ ﷺ کا تعلق مکہ کے ایک معزز اور ممتاز خاندان ''قریش'' سے تھا۔اس خاندان کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔انھوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی تھی۔یہی خاندان خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتا چلا آ رہا تھا۔آپ ﷺ نے کچھ عرصہ عرب کے رواج کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی جب آپ ﷺ کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی ''ابوا'' کے مقام پر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔آپ ﷺ کی پرورش کا ذمہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے لے لیا۔دو سال بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔آپ ﷺ کی بقیہ پرورش آپ کے چچا ابو طالب نے کی جو آخری دم تک آپ ﷺ کے دُکھ اور سُکھ میں ساتھی رہے۔جوانی میں آپ ﷺ بے کسوں غریبوں اور بے سہاروں کے کام آتے اور خوب عبادت کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔حضرت خدیجہؓ ایک نیک سیرت، باشعور اور مال دار خاتون تھیں۔ان کا پیشہ تجارت تھا۔آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت شام لے گئے۔آپ ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا غلام بھی تھا۔اس نے واپس آ کر آپ ﷺ کی بہادری، ایمانداری اور قابلیت کی بہت تعریف کی جس سے حضرت خدیجہؓ بہت متاثر ہوئیں۔حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمد ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ سے متاثر ہو کر آپؐ سے شادی کر لی۔آپؐ کے بطن سے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

چالیس سال کی عمر میں آپؐ نے اعلان نبوت فرمایا۔آپ کی قوم آپ کی مخالفت پر اتر آئی۔آپ نے لوگوں کو ایک خدا کی طرف راغب کرنے کی تبلیغ کی۔آپ کی تبلیغ کے راستے میں بڑی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔آپ کے پیروی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔یہاں تک کہ انھیں حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور کیا گیا۔

نبوت کے ساتویں سال قوم قریش نے آپ سے معاشی مقاطعہ کر دیا۔آپ شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں مقیم ہو گئے۔یہ تین سال بڑی

تکلیف سے گزرے۔ نبوت کے دسویں سال قریش کا معاہدہ بائیکاٹ دیمک نے چاٹ لیا۔ یوں آپ مکہ واپس آ گئے۔

نبوت کا دسواں سال عام الحزن بنا۔ آپ کی رفیقہ حیات اور آپ کے چچا ابو طالب آپ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ حضرت خدیجہ آپ کی زوجہ نے پچیس سال تک آپ کے ہر دکھ درد میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔

حضرت خدیجہ اور حضرت ابو طالب کی جدائی آپ کے لیے غم کا پہاڑ تھی۔ اللہ نے اسی سال 27 رجب کو آپ کو آسمان کی سیر کروائی۔ آپ کی یہ سیر معراج النبی کہلاتی ہے۔

دین اسلام کی تبلیغ کے راستے میں قوم نے بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ آپ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ سے بُرا سلوک کیا، لیکن آپ نے ان کے لیے دعا کی۔ اس اثنا میں مدینہ کے کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے۔ اُنھوں نے آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ خدا کے حکم سے آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت ابو انصاریؓ کے گھر قیام کیا اور وہاں دنیا کی پہلی مسجد بنائی جس کا نام ''مسجدِ قُبا'' رکھا۔ مدینہ منورہ میں لوگوں نے اسلام کی طرف راغب ہونے لگے اور اسلام تقویت پکڑنے لگا۔

قریش مکہ نے آپ کو مدینہ میں بھی چین نہ لینے دیا۔ یکے بعد دیگرے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق ہوئے۔ غزوہ خیبر اور صلح حدیبیہ بھی آپ نے امن کے لیے کیے۔ قریش کی شرارتوں سے تنگ آ کر آپ نے خدا کے حکم سے ان پر چڑھائی کی۔

حضور اکرم ﷺ نے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مل کر مکہ فتح کر لیا۔ فتح مکہ کے موقع پر کسی بھی قسم کا خرابہ نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے سارے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ حضور ﷺ نے معاف کرنے کی ایسی مثال قائم کی جس کی کوئی اور مثال نہیں مل سکتی۔

دنیا میں بہت سے نبی، امام، مصلح اور بہادر پیدا ہوئے۔ جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی میدان کا شہسوار تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی عالمگیر، ہمہ جہتی اور دائمی کامیابی و کامرانی حاصل نہ ہوئی۔ وہ ہر میدان کے ہیرو قرار دیے جانے کے قابل نہ بن سکے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ ہی کی وہ منوّر روح تھی جو تمام بلندیوں کی حامل تھی۔ تاریخ کے پاس سکندر تو ہے جس نے پوری دنیا کو فتح کرنا چاہا۔ تاریخ ایسی ہستی تلاش نہیں کر سکتی؛ جس نے حضرت محمد ﷺ کی طرح پوری دنیا کی برائیوں کے خلاف اعلان جہاد کیا ہو۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہر حیثیت سے شجاعت کا سرچشمہ اور عظمتِ انسانی کا مظہر ہے۔ سارے زمانے کو زندگی کا جو سامان ملا آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ملا۔ ہدایت ملی، نُور، محبت، کلام، راہ نجات، اخلاق، نیک اعمال وغیرہ۔ سب آپ ﷺ ہی کے فیوض و برکات کا ثمر ہے۔ حضرت محمد ﷺ رحمت عالم تھے اور خلق عظیم کا بے مثال نمونہ بھی تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''بے شک اے محمد ﷺ آپ حسنِ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہیں۔''

آپ ﷺ بچوں سے بے حد پیار کرتے تھے ہر موسم کا پھل سب سے پہلے بچوں کو کھلاتے تھے۔ آپ ﷺ سب بچوں سے پیار کرتے تھے چاہے وہ مسلمان ہوں یا مشرک۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول ﷺ آیا۔ ایسا رسول جو تمہارے ہر غم کو اپنا غم اور تمہاری ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے اور یہ رسول ﷺ ہر وقت تمہاری کامیابی اور فلاح کی فکر میں ہے۔ تمہاری بھلائی کا حریص ہے۔ مومنوں پر نہایت مہربان اور شفیق ہے۔ (القرآن)

اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشادِ ربّانی ہے کہ ''ہم نے تمہارا بول بالا کیا۔ تمہارے نام کے نقارے بجوائے۔ پانچوں وقت اذان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا۔ صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعد محمد رسول اللہ کہنے سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے 10 ہجری میں آخری حج کیا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر تقریباً سوا لاکھ کے قریب صحابہ کرامؓ کے جلسہ سے خطاب کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک حج کیا تھا۔ جس میں آپ ﷺ نے اسلام اور کامیاب زندگی کے سنہری اصول بتائے۔

آپ ﷺ 12 ربیع الاول 11 ہجری میں 63 سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ درود آپ پر سلام آپ پر

2 اقبال......شاعرِ مشرق

صبح جب سُورج کی سنہری کرنیں اس دھرتی کو روشنی سے بھر دیتی ہیں تو اس پاک سرزمین کے تعلیمی اداروں میں ایک دُعا معصوم طلبہ کے ہونٹوں سے پورے خلوص کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔یہ دعا ہے!

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خُدایا میری

یہ دُعا اپنے الفاظ، پیغام اور خوبصورتی کی بنا پر دل میں گھر کر جاتی ہے۔علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اپنے افکارِ تازہ سے نئی دنیا سے روشناس کروایا ہے۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ان کے آباؤ اجداد کشمیری برہمن تھے؛ جو سترھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہوئے۔ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔وہ بڑے پرہیز گار، عبادت گزار اور درویش صفت انسان تھے۔ان کی والدہ بڑی نیک اور خدا ترس خاتون تھیں۔ان کی تعلیم کا آغاز قدیم طرز کے مدرسے سے ہوا۔ابتدائی دینی تعلیم سے فارغ ہو کر انھوں نے میٹرک کا امتحان سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔سکول میں ان کی قسمت کے ستارے کو عروج اس وقت ملا؛ جب انھیں مولوی میر حسن جیسے قابل استاد ملے۔علامہ اقبال نے مرے کالج سیالکوٹ سے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔بی۔اے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔پھر وہیں سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔پروفیسر آرنلڈ جیسے مہربان اور شفیق استاد نے ان کے فلسفیانہ شعور کو تازگی بخشی۔ایم۔اے فلسفہ کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ اقبال نے پنجاب یونیورسٹی اور گورنمنٹ کالج میں پڑھایا۔

1905ء میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن تشریف لے گئے۔انگلستان سے انھوں نے بیرسٹری کی ڈگری لی۔میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ ڈی کر کے 1908ء میں وطن واپس آ گئے۔یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد علامہ اقبال کچھ عرصہ کے لیے گورنمنٹ کالج میں فریضہ پیغمبری بھی سرانجام دیتے رہے۔پھر تدریسی زندگی کو ترک کر کے وکالت شروع کر دی۔1934ء تک وکالت کا سلسلہ چلتا رہا۔1922ء میں انھیں برطانوی حکومت کی جانب سے ''سر'' کا خطاب ملا۔اپنی شاعری کے ذریعے وہ ''شاعرِ مشرق'' کا خطاب پا چکے تھے۔ہندوستان کے مسلمان انھیں فکری رہنما کا درجہ دیتے تھے۔

1930ء میں انھوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تاریخی خطبہ پیش کیا۔جس میں انھوں نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے علیحدٰہ وطن کا تصوّر پیش کیا۔اسی بنا پر انھیں مفکرِ پاکستان کہا جاتا ہے۔علامہ محمد اقبال نے سب سے پہلے پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔اُنھوں نے مسلم لیگ کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دی جائے۔خواہ برطانوی سلطنت کے اندر رہ کر آزادی حاصل کرے یا باہر رہ کر، مجھے شمال مغربی مسلم ریاست کا قیام یا کم از کم شمال مغربی علاقوں کے مسلمانوں کا مقدّر نظر رہا ہے۔'' حکیم الامتؒ، علامہ اقبالؒ کا یہ خواب 1947ء میں تخلیقِ پاکستان کی صورت پورا ہوا۔

علامہ اقبال سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔کسی بھی محفل میں جب حضور نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک لیا جاتا، تو والہانہ عقیدت و محبت کی بنا پر آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔آپ حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک باوضو ہو کر سنتے۔آپ کے خیال میں سچے مسلمان کی زندگی کا مقصدِ اولین

سوۂ حسنہ کی پیروی ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں توحید کا پیغام دیا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ سچے مسلمان کے لیے عملی نمونہ ہے۔ ہم سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر ہی رضائے الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اگرچہ باقاعدہ نعت تو نہیں کہی تاہم آپ کے کلام میں ایسے بے شمار نعتیہ اشعار موجود ہیں جن سے عشقِ رسول ﷺ کی جھلک ملتی ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

اقبال نے اردو اور فارسی میں اس قدر بلند خیالات کا اظہار کیا ہے کہ دنیا بھر کے شاعروں اور فلسفیوں نے موجود زمانے کو عصرِ اقبال کہہ کر تعریف کے پھول پیش کیے ہیں۔ علامہؒ اقبال نے اپنی شاعری کے آغاز میں غزل کی صنف کا انتخاب کیا۔ اقبال کا کلام سوئی ہوئی قوم کو جگانے کے لیے تھا۔ اس فرض کو انھوں نے بڑے اچھے طریقے سے ادا کیا۔ 1915 میں اسرارِ خودی منظرِ عام پر آئی، جنھوں نے اقبال کو پوری دنیا میں متعارف کروایا۔

مسلمان جس ذہنی انتشار میں مبتلا تھے اور جن خرابیوں کی بدولت رُو بہ زوال تھے، علامہؒ اقبال نے شاعرانہ حکمت سے ان امراضِ کُہنہ کی نشاندہی کی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اقبال کی شاعری میں خُودی کا تصوّر بڑا اہم ہے۔ خودی سے مراد اپنی ذات کی پہچان ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی کی شرائط پُورا کر کے، اندھیروں میں گھری زندگی میں، امید اور کامیابی کا سورج طلوع ہو سکتا ہے۔ انسان اپنے مقام کو پہچان کر معرفتِ الٰہی کا نُور حاصل کر سکتا ہے۔ نوجوانوں سے خطاب میں اقبال نے مسلمانوں اور نوجوان طبقے کو جہدِ مسلسل اور استقلال کا درس دیا اور انھیں ملکی تعمیر و ترقی کا ضامن قرار دیا۔

اقبال اپنی قوم کے نوجوانوں کو کبھی شاہین، کبھی مردِ قلندر، کبھی مردِ حر کا خطاب دیتے ہیں۔ اقبال کو اپنی قوم کے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اقبالؒ کا پیغام پاکستان کے خواب کی تعبیر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اقبالؒ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر سچے مسلمان اور پاکستانی بنیں۔

علامہ اقبال کے اردو مجموعوں کی تعداد چار ہے۔ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز جبکہ فارسی کلام اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مثنوی مسافر پر مشتمل ہے۔ ارمغانِ حجاز میں بھی کچھ کلام فارسی زبان میں ہے۔ معاشیات کے موضوع پر بھی ان کی ایک کتاب ''الاقتصاد'' کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے علاوہ انھوں نے مدارس یونیورسٹی کی دعوت پر جو خطاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامی'' کے عنوان سے دیئے تھے وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا وہ کلام جو انھوں نے بوجوہ نظر انداز کر دیا تھا اور انھیں کسی بھی مجموعہ کلام میں شامل نہیں کیا تھا وہ بھی ''سرودِ رفتہ'' اور ''باقیاتِ اقبال'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

قائداعظمؒ نے فرمایا: ''اگر ہم مسلمانوں کے لیے الگ ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایک طرف مجھے اس ملک کی صدارت پیش کی جائے اور دوسری طرف علامہ اقبال کی تصانیف تو میں علامہ اقبال کی تصانیف منتخب کر لوں گا۔''

عمر کے آخری سالوں میں ان کی صحت کافی خراب رہنے لگی۔ 1935ء میں وہ علاج کے لیے ریاست بھوپال گئے۔ جس کی بنا پر انھوں نے سیاست میں دلچسپی لینا چھوڑ دی۔ بالآخر وہ 21 اپریل 1938ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کو لاہور میں بادشاہی مسجد کے صدر دروازے کے پاس دفن کیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

یہ دنیا عمل کی جولان گاہ ہے۔ جس میں ہمارا ایک ایک پل قدرت کے زیر نظر ہے۔ انسان کو دنیا میں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا ہے۔ انسان کو یہ مرتبہ صرف اور صرف علم کی بنا پر حاصل ہوا۔ یہ علم کی میراث، بغیر محنت کے کوئی بھی شخص نہیں پا سکتا۔ علم ایک انمول تحفہ ہے۔ اس انمول تحفے کو پانے کے لیے محنت اور لگن کی ضرورت ہے۔ محنت ہی وہ عمل ہے، جس نے انسان کو دوسری مخلوقات پر برتری دی۔ جس نے اس انسان کو انمول بنایا؛ جو محنت کی مشقّت اُٹھاتا رہا۔

ہمارا پیارا دین اِسلام بھی ہمیں محنت سے کام کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وقت جو کسی کا انتظار نہیں کرتا؛ وہ بھی انسان سے محنت طلب کرتا ہے۔ اسلام ہمیں مشقت کی سختی برداشت کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے۔ مولانا حالی کہتے ہیں۔

مشقت کی ذِلّت جنہوں نے اُٹھائی
جہاں میں ملی آخر ان کو بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
فضیلت، نہ عزّت، نہ فرماں روائی
نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

یہ دنیا ایک دارالعمل ہے۔ انسان سے سرزد ہونے والا ہر عمل وہ قدرت یا ذات دیکھ رہی ہے، کہ انسان نے کیا سیکھا اور کیا فراموش کیا۔

محنت کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اسے کچھ عطا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''تمہارے پاس کچھ ہے؟'' اس نے عرض کیا ''ایک کمبل ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اسے بیچ کر ایک رسی اور کلہاڑی لے آؤ۔'' رسی اور کلہاڑی لے کر جب وہ شخص واپس آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''جنگل سے لکڑیاں کاٹو۔ اسے رسی میں باندھو اور جا کر بازار میں بیچ دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میرے پاس آنا۔'' کچھ دنوں کے بعد وہ شخص دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا۔ ''حضور ﷺ! آپ نے مجھے بہت اچھا راستہ دکھایا۔ بھیک مانگنے کی بجائے اب میرے پاس اپنی محنت کے سبب بہت سے روپے جمع ہو گئے ہیں۔'' سچ ہے محنت میں عظمت اور برکت ہے۔

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی — کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تاک لو اس سے پانی پرائی — نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

حضور ﷺ نے دس برس کے دوران 26 غزوات میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ 56 سرایا یا جنگی مہمات روانہ فرمائیں۔ دس برس میں 82 جنگیں لڑی ہیں۔ فرشتے مدد کے لیے اترے۔ اس وقت جب مسلمان جتنے بھی تھے اور جو بھی سامان جنگ رکھتے تھے۔ اس سے لیس ہو کر میدان میں آ گئے۔ فرشتے صرف مدد کرتے ہیں۔ مدد انھی کی ہوتی ہے۔ جو مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اگر کوئی گروہ گھروں یا آستانوں میں بیٹھ کر صرف دعا پر ہی اکتفا کرے تو فرشتے بھی محض آمین کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کی یہ شان ہے کہ نصرت کی دعا مانگنے کے ساتھ، لڑنے کے لیے تلوار میان سے باہر نکال لیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر مستجاب الدعوات تو نہ کوئی تھا نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہو گا۔

ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی زندگی بھی عمل کا ایک نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی دین کی خاطر سختیوں کی نذر کر دی۔ آپ۔۔۔

خود ارشاد فرمایا۔

"اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللہ ٥   ترجمہ: "محنت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔"

حضورِ اکرم ﷺ نے محنت کو اللہ تعالیٰ سے دوستی کا معیار قرار دے دیا۔ جس نے محنت کی وہ خدا کا دوست بن گیا۔

محنت ایک ایسا نسخۂ کامیابی ہے؛ جس نے اسے پایا' وہ دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ یہ ایک ایسا نسخہ ہے' جو کہ انسان کو زمین کی پستیوں سے اُٹھا کر' آسمان کی بے کراں بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے؛ جس نے انسان کو اس کا مقام سمجھایا۔ انسان کو اس قابل بنایا؛ کہ وہ اپنی زندگی کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ اپنے مقام کا خود سے تعین کر سکے۔ آج تک دنیا میں جتنی بھی ترقی ہوئی ہے؛ وہ سب محنت کی وجہ سے ہوئی۔ جس قوم نے محنت کی ذِلّت اٹھائی؛ وہ اِس دنیا میں بھی افضل ٹھہری اور ہوگی۔ آج تک جتنی بھی اقوام عروج پر پہنچی ہیں؛ وہ ان کی مسلسل محنت اور لگن کا نتیجہ ہے۔ چائنہ اور جاپان کی مثالیں' پوری دنیا کے سامنے ہیں۔ آج پوری دنیا ان کی محنت کے سامنے سرنگوں ہے۔

محنت کی عظمت کا اندازہ ایک گندم کے دانے سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک گندم کے دانے کو انسان کی خوراک بننے کے لیے کس قدر مشکل اور لمبے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کس قدر سخت حالات اور موسموں کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ تب جا کر وہ اس قابل ہوتا ہے' کہ وہ انسان کی خوراک بنے۔

ایک طالب علم کو علم کی میراث پانے کے لیے کس قدر سخت مراحل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک طالب علم کو علم کے درجات پانے کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ سخت محنت اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ سخت محنت اور کامیابی کے بعد وہ اس قابل ہوتا ہے؛ کہ وہ اپنی قوم کا سہارا بنے۔

بغیر محنت کے دنیا کا کوئی بھی شخص علم حاصل کر کے ترقی کی منازل کو طے نہیں کر سکتا۔ جس نے محنت کی جتنی ذلت اٹھائی؛ وہ ترقی کی اتنی ہی منازل کو عبور کرتا ہوا کامیابی حاصل کرتا ہے۔ ایک انسان اگر مشقت کی ذِلّت اُٹھا کر اپنی منزل کو پائے؛ تو دُنیا اس کے قدم چومتی ہے۔ محنت اسے فخرِ انسانیت سے نوازتی ہے۔

ہر فرد محنت اور مشقت کر کے ہی اس قابل ہوتا ہے؛ کہ وہ اپنے نام کو رہتی دنیا تک روشن رکھ سکے۔ قائداعظمؒ' سر سید' علامہ اقبال کے علاوہ اور بھی بہت سے آدمی ہوں گے؛ جن کی دن رات کی محنت نے انھیں اس قابل بنایا' کہ دنیا آج تک ان کو یاد کرتی ہے۔

علامہ اقبال نے بھی کیا خوب کہا ہے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمَم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل' طاؤس و رُباب آخر

محمد علی نام ہزاروں افراد کا ہوگا' مگر قائداعظم محمد علی جناح کی محنت نے انھیں منفرد بنایا اور انھیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر رفعت عطا کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی مسلسل جدوجہد اور محنت کا ہی یہ نتیجہ تھا؛ کہ وہ دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نام کندہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(4) قائداعظم محمد علی جناحؒ

☆ تمہید ☆ خاندان اور پیدائش ☆ تعلیم
☆ دورِ آزمائش ☆ سیاست میں حصہ ☆ میثاقِ لکھنؤ اور قائداعظم
☆ کانگریس سے علیحدگی اور مسلم لیگ میں شمولیت ☆ قراردادِ پاکستان ☆ قائداعظم کی واپسی اور رہنمائی
☆ قائداعظم اور گاندھی کی چالیں ☆ قیامِ پاکستان ☆ پہلے گورنر جنرل
☆ وفات

تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ملتی ہیں؛ جس کا نام رہتی دنیا تک قائم رہتا ہے۔ لوگ ان کا نام عزت بھرے القاب سے پکارتے ہیں۔ ان

کی شہرت کا ڈنکا دنیا میں بجتا ہے۔ انھی مشہور اور معروف شخصیات میں سے ایک عظیم اور منفرد شخصیت کا نام قائداعظم محمد علی جناحؒ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مسلسل محنت اور جدوجہد نے انھیں زمین سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

قائداعظم محمد علی جناح کے خاندان کا اصل وطن راجکوٹ تھا؛ مگر کاروباری شغف انھیں کراچی لے آیا۔ انکے والد کا نام پونجا جناح تھا' وہ چمڑے کی تجارت کرتے تھے اور اپنے زمانے کے مشہور تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں ہی پیدا ہوئے۔ یہی وہ بچہ تھا' جو بڑا ہو کر پاکستان کا بانی بنا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی۔ وہیں پر ان کا بچپن گزرا۔ ابتدائی تعلیم مدرستہ الاسلام سندھ سے حاصل کی اور 1891ء میں وہ مشن ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ وہاں سے اُنھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ برس سال تھی۔

آپ کے والد آپ کو اپنے کاروبار میں مصروف کرنے کے خواہاں تھے؛ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ کے والد نے اپنے ایک انگریز دوست کا مشورہ قبول کر لیا اور انھوں نے آپ کو بیرسٹری کی تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا۔ قائداعظمؒ نے انگلستان کے ایک ادارے "لنکنز ان" میں داخلہ لے لیا۔ اس ادارے کے صدر دروازے پر دُنیا کے مشہور تاریخ دانوں اور قانون دانوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان میں ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا نام بھی تھا۔ اس ادارے سے آپ نے بیس برس سال کی عمر میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔ یہ اس ادارے کا ایک ریکارڈ تھا۔

جن دنوں آپ انگلستان میں مقیم تھے؛ آپ کے گھریلو حالات خراب ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے والد محترم کو کاروبار میں زبردست نقصان ہوا۔ نوجوان محمد علی نے ان حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کیا اور وطن واپسی کے بعد کراچی میں وکالت شروع کر دی۔

جب کراچی میں وکالت کی کوئی صورت نظر نہ آئی؛ تو آپ بمبئی چلے گئے۔ ابتدائی تین سالوں میں آپکو کوئی مقدمہ نہ ملا۔ لیکن آپ نے ہمت نہ ہاری۔ آخر آپ کو کچھ عرصہ کے لیے پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدہ کی پیش کش ہوئی۔ آپ کی کارکردگی سے متاثر ہو کر؛ سرکار نے پندرہ سو روپے ماہوار تنخواہ پر ملازمت کی پیش کش کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "میں تو اتنے روپے روز کمانا چاہتا ہوں" جلد ہی آپ چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔

محمد علی جناحؒ انگلستان کے زمانہ طالب علمی سے ہی سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ اس وقت ہندوستان میں کانگریس کی دُھوم مچی ہوئی تھی۔ محمد علی جناحؒ بھی اس کے رُکن بن گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب آپ کو معلوم ہوا' کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے؛ جو صرف اور صرف ہندوؤں کے مفاد کے لیے کوشاں ہے؛ تو آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

آپ 1913ء میں مسلم لیگ کے رُکن بنے۔ آپ کی کوششوں سے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان 1916ء میں میثاق لکھنؤ ہوا۔ آپ کی کوششوں نے کانگرس نے مسلمانوں کا مطالبہ جداگانہ طریقہ انتخاب مان لیا۔ اس بنا پر آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر بھی کہا جاتا ہے۔ ملکی سیاست میں اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ سائمن کمیشن کے بائیکاٹ پر مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ آپ ہندوستان کے مسلم لیڈروں کی سوچ سے تنگ آکر برطانیہ چلے گئے۔

علامہؒ اقبال نے دیکھا کہ قائداعظم کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں؛ جس کو مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے لیڈر بنایا جائے۔ علامہؒ اقبال نے خطوط کے ذریعے قائداعظم کو وطن واپس آنے کی ترغیب دی۔ قائداعظم 1934ء میں وطن واپس آ گئے اور انھوں نے اپنی مسلسل جدوجہد سے مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا۔

اس وقت مسلمانوں کو جس قسم کا انقلابی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اس کا صحیح احساس پیدا کرنے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا شرف نمایاں طور پر دو شخصیتوں کو حاصل ہوا۔ ایک ڈاکٹر علامہ اقبال اور دوسرے قائداعظم محمد علی جناح۔ ان شخصیات نے نظری اور عملی طور پر اسلامیان ہند

نوان کے حقیقی مقاصد سے آگاہ کرنے کا عظیم الشان کام سرانجام دیا۔

ایک ہستی نے اپنے نغمہ جاں سوز کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے اندر ایک نئی روح بیدا کردی؛ تو دوسری ہستی نے اپنے سازِ عمل کی تانوں سے مسلمانوں کے عزائم کو تحریک بخشی۔ بالآخراہلِ زمانہ نے وہ دن بھی دیکھا۔ جب کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرے کا طلسم پاش پاش ہوکررہا اور مسلمانانِ ہند نے اپنی شاندار تہذیب کو زندہ رکھنے اور پنپتا ہوا دیکھنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی اور 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) لاہور میں ایک قرارداد منظور کی؛ جس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

یہ کیا تھا؟ کس لیے تھا، مدعا کیا، ماجرا کیا تھا؟ مجھے معلوم ہے یہ جز دوحرف لاالہٰ کیا تھا؟

یہ ساری کاوشیں تھیں دین کی، ایمان کی خاطر ہزاروں کلفتیں تھیں ایک پاکستان کی خاطر

لامحالہ یہ اسلامی نظامِ زندگی اور اسلامی تہذیب وتمدن کی برتری پر یقین کامل ہی کا نتیجہ تھا کہ ارضِ ہندوستان راس کماری سے لے کر پشاور تک ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہٰ الا اللہ'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ قائداعظم کی چلائی ہوئی تحریکِ پاکستان اپنے اسلامی تصورات ونظریات کے سبب مسلمانانِ ہند کے دلوں میں اترگئی۔ وجے لکشمی پنڈت نے آپ کی عظمت پر مہرتصدیق ثبت کردی کہ ''اگر مسلم لیگ کے پاس ایک سو گاندھی اور دوسو ابوالکلام آزاد ہوتے اور کانگرس کے پاس صرف ایک محمد علی جناح ہوتا تو' ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہو۔''

تحریکِ پاکستان راستے کی ہمت شکن اور صبر آزما مشکلات کے باوجود قائداعظم کی اعلیٰ قیادت اور اسلامیانِ ہند کی جرأت واستقامت کی بدولت عروسِ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا ظہور ہوا۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے بابائے قوم کے بارے میں لکھا: ''وہ اتنی بلند شخصیت کے مالک تھے جتنی امام بن تیمیہ۔ اس لیے کہ امام تیمیہ نے مسلمانوں کو تاتاریوں سے بچایا تھا' جبکہ قائداعظم نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کیا۔''

گاندھی نے اپنی پوری کوشش کی' کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرے۔ گاندھی نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر قائداعظم نے مسلمانوں کو گاندھی کی شاطرانہ چالوں سے بچایا۔ علامہؒ اقبال نے مسلمانوں کو جونصب العین دیا تھا؛ قائداعظم نے اسے اور جلا بخشی۔ انگریز اور گاندھی نے مسلمانوں کو تباہ کرنے اور انھیں علیحدہ وطن کے حصول سے روکنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں' لیکن انگریزوں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مطالبے کے آگے گھٹنے ٹیکنا ہی پڑے۔

مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد اور پختہ عزم کے نتیجے میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خُدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

آخرکار قائداعظم کی فقید المثال رہنمائی سے 14 اگست 1947ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا؛ تو آپؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی نے ان سے وفا نہ کی۔ شب وروز کی سخت محنت کی وجہ سے آپؒ 11 ستمبر 1948ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئے۔ بانیِ پاکستان اور بے باک رہنما قوم کو روتا چھوڑ کر ملکِ عدم روانہ ہوگیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کا مزار پاکستان کے شہر کراچی میں ہے۔

قائداعظمؒ زندہ باد پاکستان پائندہ باد

☆☆☆☆☆☆☆☆

(5) قائداعظمؒ اور استحکام پاکستان

☆ تعارف ☆ استحکام پاکستان ☆ سٹیٹ بنک کا افتتاح
☆ مہاجرین کی آبادکاری ☆ تعصب سے اجتناب کا حکم ☆ طلبہ کو نصیحت
☆ افسروں سے خطاب ☆ شب و روز محنت ☆ بیماری کی حالت اور محنت

نگاہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے (اقبال)

دنیا میں عظیم انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے، بلکہ ایسے عظیم انسانوں کے لیے تاریخ کو مدتوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے محبوب قائد اور ملت کے پاسبان محمد علی جناحؒ ہیں۔ جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو نہ صرف انگریزوں سے آزادی دلوائی بلکہ انھیں الگ وطن کے آزاد باشندے ہونے کا بھی فخر بخشا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرّر ہوئے۔ یہاں کوئی مرکزی انتظامیہ نہ تھی۔ پاکستان کی معاشی صورت حال نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ ملک میں ہر طرف دہشت گردی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ مذکورہ حالات کو دیکھ کر بھی قائداعظمؒ کے چہرے پر شکن نہ آئی۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر تمام حالات پر قابو پالیا۔

14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ قیام پاکستان کی جدوجہد میں جہاں مسلمان رہنماؤں نے بے شمار جانی و مالی قربانیاں دیں؛ وہیں ان کو مخالفت اور مخاصمت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ قائداعظم اس صورتِ حال پر حد درجہ رنجیدہ تھے۔ قائداعظم نے استحکام پاکستان کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا تھا۔ ان کی بصیرت اور سیاسی تدبر نے پاکستان کی فکری اور نظریاتی سمتوں کا تعیّن کر کے اسے مستحکم ملک کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ استحکامِ پاکستان کے سلسلے میں قائداعظم نے بہت سے اقدامات کیے جو درج ذیل ہیں:

یکم جولائی 1948ء میں کراچی میں اسٹیٹ بینک کا افتتاح کیا گیا؛ تاکہ ملک کے معاشی حالات کو بہتر بنایا جا سکے۔ صنعتی اور تجارتی ترقی پر بھرپور توجہ دی 27 اپریل 1948ء کو کراچی میں چیمبر آف کامرس کے سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے صنعت اور تجارت کا ذکر کیا۔

قیام پاکستان کے وقت مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ قائداعظمؒ نے اس طرف فوری توجہ دی۔ ان کے لیے ریلیف فنڈ قائم کیا۔

15 جون 1948ء کو کوئٹہ میں میونسپل کمیٹی کے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ”جب میں پاکستان کے کسی طبقہ پر صوبائیت کا غلبہ پاتا ہوں، تو قدرتی طور پر مجھے دکھ ہوتا ہے۔ پاکستان کو اس برائی سے آزاد ہونا چاہیے۔ اب ہم پاکستانی ہیں نہ بلوچی، نہ پٹھان، نہ سندھی، نہ پنجابی اور نہ بنگالی۔ ہمیں پاکستانی اور صرف پاکستانی کہلوانے پر فخر محسوس ہونا چاہیے۔ قائداعظمؒ کا ہی حوصلہ تھا کہ مایوس کُن اور اتنے سخت حالات کے باوجود پاکستانیوں کو ایک مضبوط ملک دیا۔

قائداعظمؒ نے طلباء خطاب کرتے ہوئے انھیں اپنی تمام تر توانائیں حصولِ علم اور ملکی تعمیر و ترقی پر صرف کرنے کی تلقین کی اور انھیں ملک کا سرمایہ قرار دیا۔

قائداعظمؒ نے مختلف مواقع پر افسران سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”آپ کا کام عوام کی خدمت کرنا ہے اور ملکی تعمیر و ترقی کے لیے دن رات کوشاں رہنا بھی آپ کے فرائض کا لازمی جزو ہے“۔ جماعتی وابستگی سے ہٹ کر ملکی خدمت پر توجہ دیں۔

قائداعظمؒ نے 14 اگست 1947ء سے لے کر 11 ستمبر 1948ء تک اپنا ہر ایک لمحہ استحکامِ پاکستان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنی خرابیِ صحت کی پروا نہ کرتے ہوئے دن رات کام کیا۔ ادارے منظم کیے، فائلیں دیکھیں اور ایک نوزائیدہ مملکت کی نہایت شفقت اور عقیدت سے آبیاری کی۔

سولہ برس کی سخت جدوجہد کے بعد ملت کے پاسبان نہایت ضعیف و نحیف ہو گئے تھے۔ آپ کے ڈاکٹر نے مسلسل آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے آرام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ نتیجتاً آپ کی صحت مزید بگڑ گئی۔ اس بیماری کی باوجود آپ آخری دم تک کام کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(6) اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات

☆ معنی ومفہوم ☆ اسلام بطور ضابطہ حیات ☆ اسلام بطور دین
☆ اسلام نظریاتی قوت ☆ اسلام کی آفاقیت ☆ اسلام میں مساوات
☆ اسلام ضابطہ حیات کی آفاقیت ☆ خلاصہ کلام

اسلام عربی زبان کا لفظ ہے اور ''سلم'' سے مشتق ہے جس کے معنی امن وسلامتی اطاعت اور فرمانبرداری اور گردنیں جھکانے کے ہیں۔ اپنے آپ کو خدا کے حضور حاضر کر دینا، اسلام ہے۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی اور خود مختاری سے دستبردار ہونا بھی اسلام ہے۔ خدائی بادشاہی کے آگے فرمانبرداری اور سرِ تسلیم خم کر دینا بھی اسلام ہے۔ اسلام محض ایک مذہب ہی نہیں ہے؛ بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کی تعلیمات دنیا و آخرت کی زندگی کے تمام شعبہ ہائے فکر، عمل، قانون اور اُصول کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کا مرقع ہے۔

اسلام اس ضابطۂ حیات کا نام ہے؛ جس کو خالق ارض وسماء نے بنی نوع انسان کی بہتری اور رہبری کے لیے منتخب کیا ہے۔ اسلام انسان کی پوری زندگی پر بحث کرتا ہے۔ پوری زندگی کے لیے ہدایت جاری کرتا ہے۔ اُصول وضع کرتا ہے اور ضابطہ تشکیل دیتا ہے۔ اس کا اوّلین مطالبہ یہ ہے' کہ انسان خدا کے مقابلے میں اپنی خود مختاری سے دست بردار ہو جائے۔ اس کی اطاعت کرے اور اس کے رسول ﷺ جو آئینِ اسلامی لائے ہیں؛ اس کی پیروی کرے۔ اسلام انسان کی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے؛ جو قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کا وسیع مطالعہ کرے۔ یہ اسلام محض عقائد اور عبادات کی تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ معاشرت، عدالت، سیاست، قانون اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ سب کے متعلق احکامات جاری کرتا ہے۔ اس میں ایک طرف کتاب طہارت اور کتاب الصلوٰۃ ملتی ہے اور دوسری کتابِ جہاد، کتاب قضاء، کتاب خراج اور کتابِ امارت ملتی ہے۔ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے' جس نے زندگی کے تمام مختلف موضوعات پر بحث کی ہے۔ جن میں تواریخ، اقتصادیات، اخلاقیات، فلکیات عالمی قوانین، معاشرتی نظام اور تقریری قوانین وغیرہ شامل ہیں۔ اس نے ہر موضوع پر جو کچھ کہا ہے؛ وہ ناقابل تردید اور ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہے۔ رسول پاک ﷺ نے اپنی دعوت کے آغاز میں یہ بات واضح کر دی تھی' کہ آپ ﷺ جو دین لائے ہیں' وہ تمام بندگیوں کو ختم کر کے صرف ایک اللہ کی بندگی، اور تمام اطاعتوں کو ختم کر کے ایک اللہ کی اطاعت اور تمام طریقوں کو ختم کر کے ایک طریقۂ اسلامی معاشرت قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس وقت آپ ﷺ نے قریش کو کلمہ طیبہ کی دعوت دی تھی' اسی وقت فرما دیا تھا کہ ''میں ایک ایسا حکم لے کر آیا ہوں اور تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں' جسے تم قبول کر لو' تو عرب وعجم سب تمہارے زیرِ نگیں ہوں گے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک مکمل دین لیکر آئے تھے' نہ کہ کوئی ایسا دین جو کسی اور ضابطے یا علم کا ماتحت بن کر رہے۔

اسلام آخری الہامی دین ہے۔ جس طرح انسان کو عام تعلیمی زندگی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے پہلے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت اسلامی تعلیمات کی بھی ہے۔ چنانچہ دین کے بارے میں انسانیت کئی مراحل سے گزر کر بالآخر اپنی منزل پر پہنچ گئی؛ جس کا نام دین اسلام ہے۔'' اسلامی ضابطہ حیات کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

اسلام ضابطہ حیات ایک نظریاتی قوت کا حامل ہے۔ جس کی بنیاد ایمان اور عقیدے پر استوار ہے۔ اپنے مخصوص نظریات کی بناء پر ایک جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر دوسرے مذاہب کا اثر اور تسلط نہیں ہے' بلکہ اسکے نظریات محفوظ اور غیر متبدل ہیں اسکی کتاب کی زبان (عربی) ایک زندہ زبان کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ حج کے فریضے کے ذریعے اس سرزمین اور اس کی زبان سے مسلمانانِ عالم کے مابین ادبی ومعاشرتی رابطے کو رکھا گیا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ صرف ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے۔ یہ اس محفوظ ضابطے کو نظریاتی تقویت کے لیے انھیں ایک محفوظ مشترکہ زبان، ایک محفوظ مرکز اور ایک موثر رابطہ بھی عطا کرتا ہے۔

اسلام کا ضابطہ حیات ایک عالمگیر اور آفاقی پہلو کا حامل ہے۔ اسلام نے حسنِ معاشرت اور رواداری کی جو تحریک پیدا' کی وہ ایک مختصر سے عرصے میں پھیل گئی ہے۔ دنیا کے تمام ممالک اس سے آشنا ہو گئے۔ اور وہ تمام انسانی مسائل جو حیات انسانی سے تعلق رکھتے تھے؛ وہ سب کے اس کے زیرِ سایہ آ گئے۔ اس تحریک کی جغرافیائی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچیس، تیس سال کے اندر اندر ایران، عراق، روم،

یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک اسلام کے زیرِ نگیں آ گئے تھے۔ ان میں اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔
نظریاتی طور پر اسلام نے اپنی فکری، عملی اور زبانی تحریک پیش کرنے سے پہلے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کی ہے۔ بے قراری اور جرأت مندانہ خیالات پیدا کیے ہیں جو محبت الٰہی سے لبریز اپنے فرائض کے احساس سے سرشار ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ماننے والوں سے اس امر کی تقاضہ کرتا ہے، کہ وہ ایک نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس تک پہنچنے کے لیے کوشش، سعی اور تحریک پیدا کریں۔
اسلام کے ضابطۂ حیات میں روحانی پہلو بھی اس کی وسعت اور آفاقیت کا مظہر ہے۔ یہ انسان کو انسان سے نزدیک کرنے اور باہم متحد کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس نے اس بات کا ثبوت بھی فراہم کیا کہ تمام انسان ایک جسم کی مانند ہیں۔ ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف ہے اور سب بھائی بھائی ہیں اور مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ اس میں کالے اور گورے عربی اور عجمی کا کوئی فرق نہیں۔ اس نظریہ نے عدل و انصاف مساوات اور اخوت قائم کرنے کی بھرپور حمایت کی۔ اس نے تمام انسانوں کو اپنے گرد جمع کیا ہے۔ اسلام نے تحصیل علم اور علمی تحقیق و تلاش کے لیے مواقع فراہم کیے۔ حصول علم کو تمام مردوں اور عورتوں کے لیے فرض قرار دیا۔ اس میں عمر کی قید اور حد کو ختم کر دیا۔ مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سلسلے میں جغرافیائی حد کو بھی مٹا دیا اور حکم دیا کہ ''علم حاصل کرو چاہے تمھیں اس کے لیے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے''۔ استاد اور معلم کے لیے مذاہب کی شرط بھی نہیں رکھی۔ معلم کافر اور مشرک ہو تو اس سے بھی علم حاصل کرو۔ اسلام نے تعلیم و تربیت کے لیے نئے نئے راستے اور طریقے تجویز کیے۔ ارشاد ہیں۔ گزرے آپ ﷺ کا ارشاد ہے ہوئے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، دنیا پر غور کرو، سیر و سیاحت سے کام لو، تجزیہ کرو اور حقائق کی تہہ تک پہنچ جاؤ۔
اسلامی ضابطہ حیات کی آفاقیت اور وسعت کا ایک حِصّہ یہ بھی ہے، کہ وہ تمام مسائل جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح قوم و ملت اور انسانیت سے تھا؛ وہ سب اسلامی مسائل کی روشنی میں حل کیے جانے لگے۔ ان کا تعلق خواہ اقتصادیات سے تھا یا معاشرت سے، ان کا تعلق سیاست سے تھا یا ثقافت سے، ان سب میں تبدیلیاں کیں۔ لوگوں میں بیداری پیدا کی اور انھیں ہدایت کی، کہ وہ انسانی مسائل پر نظر رکھیں۔ اپنے حقوق کا تحفظ کریں اپنے دین کے دشمن کے مقابلے میں پوری قوت کے ساتھ ڈٹ جائیں۔ دعا اور مناجات کے وقت بھی ان کے ہاتھ اسلحہ سے خالی نہ ہوں۔ بیک وقت دونوں کی طرح عبادتوں میں مصروف رہیں۔
الغرض اسلام ہی دنیا کا واحد مکمل اور آفاقی مذہب ہے، جو انسانوں کی زندگی کے تمام شعبہ جات کی مکمل معلومات اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا درج بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام ایک مکمل اور آفاقی ضابطۂ حیات ہے۔ اس پر عمل کرنے سے ہی دنیا امن و ترقی کے خواب کی تعبیر پا سکتی ہے۔

(7) تعلیم نسواں

☆ عورت کی ذات	☆ تعلیم کی اہمیت	☆ اسلام میں علم کا درجہ
☆ تعلیمِ نسواں کی اہمیت	☆ جاہل اور پڑھی لکھی عورت میں فرق	☆ تعلیم نسواں کے فوائد
☆ زمانۂ جاہلیت کی روایات	☆ تعلیم بطور رہنما رہبر	☆ حاصلِ کلام

اگر عورت کی ذات کا پس منظر دیکھا جائے، تو معلوم ہو گا کہ عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ گاڑی کے اس سفر کے لیے دونوں پہلوؤں میں یکسانیت ہونا لازمی ہے۔ اگر ایک کو بھی غیر یکسانیت دی جاتی ہے، تو گاڑی رواں دواں نہیں رہ سکتی۔
اگر علم مرد کی عقل کو روشن کرتا ہے، تو عورت کی عقل کو بھی علم سے جلا ملتی ہے۔ اس لحاظ سے عورتوں کی تعلیم بھی نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

فرمان نبوی ﷺ:
رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ ''علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے''
آج ہوائی جہاز و دیگر ذرائع نے چین کو قریب کر دیا ہے۔ جب یہ فرمان جاری ہوا تھا؛ تو چین کا سفر جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ

بھی ارشاد ہوا کہ ''جو شخص علم حاصل کرنے کی کوشش میں جان ہار دے، وہ شہید ہے''۔
جنگِ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا فدیہ ٹھہرایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام میں علم کا درجہ کتنا بلند ہے۔
اگر کوئی مرد علم کے ذریعے ترقی اور شہرت پا سکتا ہے؛ تو عورت بھی ان بلند درجات تک جا سکتی ہے۔ اب وہ زمانہ جاہلیت نہیں ہے کہ عورت کو تعلیم حاصل کرنے سے روکا جائے۔ اب تو عورتوں کے لیے الگ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے؛ تاکہ وہ پڑھ لکھ کر ترقی کریں اور ملک کا نام روشن کریں۔
ایک جاہل عورت بھی ماں کہلاتی ہے اور تعلیم یافتہ عورت بھی ماں کہلاتی ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک جاہل عورت گھر کو سنوار کر نہیں رکھتی۔ فضول خرچیاں کرتی ہے، جس سے وہ امیر بھی ہو تو غریب ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ایک تعلیم یافتہ اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے۔ اپنے خاوند اور بچوں کی زندگی سنوارتی ہے اور بچوں کو ایک خاص رنگ میں رکھتی ہے۔ جس کا اثر بچوں کی معاشرتی اور روحانی زندگی پر قطعی طور پر ہوتا ہے۔ وہ بڑے ہو کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ عورت غریب بھی ہو تو امیر بن جاتی ہے۔ وہ فضول خرچیوں کی بجائے کفایت شعاری کو اپنا شعار بناتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو خود تعلیم دیتی ہے اور محلے کے بچوں کو پڑھاتی ہے۔ اس طرح وہ عزت بھی پاتی ہے اور اس کے معاشی حالات بھی قدرے بہتر ہو جاتے ہیں۔
اب تو خواتین اعلیٰ تعلیم کے ذریعے اعلیٰ مراتب پر بھی فائز ہونے لگی ہیں۔ ان کو اپنے جواہر دکھانے کے بھرپور مواقع مل رہے ہیں۔ ان میں خودداری اور اعتماد کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔

چھپے سنگریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزہ زر بھی ہیں کچھ

ماضی میں بعض دولت مند لوگ خود جاہل ہونے کے ناطے اپنی بیٹیوں کو بھی جاہل ہی رکھتے تھے۔ زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی بجائے قیمتی لباس اور زیور سے آراستہ کرتے تھے۔ جس سے ان میں ہوس اور بے راہ روی جیسی خامیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ وہ خاتون خانہ تو بن نہیں سکتی تھیں؛ لیکن سبھا کی پریاں بن جاتی تھیں اور ملک و ملت کی رسوائی کا باعث بنتی تھیں۔
اس کے برعکس تعلیم یافتہ خواتین اپنے وقار کے ساتھ ساتھ ملک و ملتّ کی شان بھی بڑھاتی ہیں وہ اپنی اولاد کو بھی اس قابل بناتی ہیں۔ ان کو برائی اور بھلائی میں تمیز سکھاتی ہیں۔ جس سے ان کو فرائض کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔ ماں ہی بچے کی پہلی استانی اور ماں کی گود ہی بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ بچے جو کچھ اپنی ماں کی گود میں سیکھتے ہیں، وہ ہمیشہ ان کے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ عورت اگر تعلیم یافتہ ہو گی تو اپنے بچے کی بہت اچھے طریقے سے تعلیم و تربیت کر سکے گی۔
گویا بچے کی بہترین تعلیم و تربیت کا انحصار ماں پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے یہ بچے بڑے ہو کر اپنے ملک و ملت کے لیے مایہ ناز ہستیاں بنیں گے۔ ایک جاہل عورت بھی ماں کہلاتی ہے۔ ایک پڑھی لکھی عورت کو بھی بالآخر ماں ہی بننا ہوتا ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ عورت گھریلو کاروبار، بچوں کی پرورش، کھانا پکانا، گھر کا خرچ، مہمانوں کی آؤ بھگت، ہمسایوں اور رشتہ داروں سے تعلقات غرض یہ کہ ان تمام مسائل کو بطریق احسن حل کر لیتی ہے۔
اس کے مقابلے میں ایک ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ عورت اپنے وسائل کے مقابلے زیادہ پیدا کر لیتی ہے۔ اس کے پاس گھریلو نظام چلانے کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا۔ بچوں کی تربیت کا بہتر انتظام نہیں کر پاتی۔ جس سے بچے جسمانی اور معاشرتی مصائب کا سامنا کرتے ہیں اور نتیجہ یہ کہ پسماندہ ماحول اور برا معاشرہ جنم لیتا ہے۔ گویا وہ نہ صرف گھر کی تباہی بلکہ معاشرے کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

جس قوم کی عورت ابھی بیدار نہیں ہے
وہ قوم کسی شان کی حقدار نہیں ہے

ایک حکمران اس وقت بہترین حکمرانی کر سکتا ہے، جب اس کے وزیر اور مشیر انتہائی تعلیم یافتہ، باصلاحیت اور باتدبیر ہوں۔ اپنے حکمران کو بہترین مشورے دے سکیں۔ گھر کی مثال ایک ریاست کی سی ہے۔ جس میں مرد کو حکمران اور بیوی کو وزیر کی حیثیت حاصل ہے۔
کبھی عورت کی تعلیم دلانا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ تعلیم حاصل کرنے سے عورت آزاد خیال اور بے راہ رو ہو جاتی ہے۔ خود کمانے

کے قابل ہو جانے کی بنا پر خاوند کی وفا شعار نہیں رہتی۔ یہ خیالات ان لوگوں کے ہیں جو نہ صرف تعلیم کی افادیت سے بے بہرہ ہیں۔عورت کو ہمیشہ محکوم اور غلام دیکھنے کے عادی ہیں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ علم اگر مرد کی عقل کو جلا بخشتا ہے' تو عورت کی عقل اس سے روشنی حاصل کرتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے سے عورت میں نہ صرف تہذیب پیدا ہوتی ہے' بلکہ وہ ذہین، ماہر اور سلیقہ مند ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کے مقام و مرتبے کو بھی درست طریقے سے پہچانتی ہے۔

اس معاشرے میں بہت سی ایسی ملازمتیں ہیں جو عورت کے لیے ہی مناسب ہیں جیسے لیڈی ڈاکٹر، نرس، لیکچرار، گرلز سکول اور پرائمری سکول ٹیچرز وغیرہ لیکن ضروری نہیں کہ عورت نوکری کرنے کے لیے ہی علم حاصل کرے۔ اپنی گھریلو زندگی گزارنے کے لیے بھی اسے مختلف علوم کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مذہبی علم، علم حساب، امور خانہ داری، اصولِ حفظان صحت وغیرہ۔

اس تمام بحث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم نسواں بے حد ضروری ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی ترقی اور قوم کی خوشحالی کا کام لیا جاسکتا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کی بہبود اور عظمت کی ضمانت بھی مل سکتی ہے۔

درج بالا دلائل سے واضح طور پر ثابت ہے' کہ اسلام اور معاشرتی تعلیمات کے مطابق عورتوں کی تعلیم بے حد ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے بغیر مہذب اور ترقی یافتہ قوم کا تصور بھی محال ہے۔

☆☆☆☆☆

(8) والدین کی اطاعت

☆ والدین ایک نعمت	☆ والدین کے حقوق	☆ قرآن کی روشنی میں
☆ احادیث کی روشنی میں	☆ واقعات اور مثالیں	☆ اسلام کی تعلیمات
☆ بچوں کے فرائض	☆ نتیجہ	

سب سے بڑی سعادت ماں باپ کی ہے خدمت
سب سے بڑی عبادت ماں باپ کی ہے خدمت

والدین کا وجود انسان کے لیے' سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر کسی انسان کی دنیا میں کوئی چیز کھو جائے' تو اسے کسی نہ کسی طرح دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن والد یا والدہ کے وجود سے ایک دفعہ محروم ہو جانے کے بعد' ہم اسے کسی قیمت پر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت جس انسان کو نہیں ملتی؛ وہ ہی اس کی قدر کو زیادہ اچھی طرح جانتا ہے۔

حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں حقوق العباد اور حقوق اللہ۔ اگر انسان حقوق اللہ ادا نہیں کرتا' تو اللہ اسے معاف کر سکتا ہے۔ اگر انسان حقوق العباد ادا نہیں کرتا؛ تو اللہ اسے معاف نہیں کرے گا۔ حقوق العباد میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے۔ جو انسان حقوقِ والدین ادا نہیں کرتا؛ اللہ اسے اس دنیا اور آخرت دونوں میں ہی سزا دیتے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید نے والدین کی خدمت کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے کہ ''والدین کے ساتھ احسان کرو' ارشاد ربّانی ہے کہ ''اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے''اُف'' تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو''۔

ہمارے محبوب آخر الزمان نبی ﷺ نے والدین کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا کہ ''ماں کے قدموں تلے جنت ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا ''باپ کی ناراضگی ربّ کی ناراضگی اور باپ کی رضا ربّ کی رضا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ ''سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: کہ کسی کو خدا کا شریک بنانا، والدین سے بدسلوکی کرنا، ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ ایک اور جگہ میرے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ۔

وہ شخص ہلاک ہو جائے۔ ہلاک ہو جائے، ہلاک ہو جائے، پھر ذلیل ہو جائے، جس نے والدین میں سے دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اوران کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی"۔

روایت ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول ﷺ سے پوچھا "میں سب سے زیادہ کس کی خدمت کروں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ اپنی ماں کی۔ صحابیؓ نے پھر دریافت کیا "پھر کس کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا" اپنی ماں کی"، تیسری بار بھی آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ جب صحابیؓ نے چوتھی مرتبہ پوچھا، تو جواب دیا کہ اپنے باپ کی۔

روایت ہے، کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاد کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "کیا تیرے والدین زندہ ہیں"؟ اس نے جواب دیا "جی ہاں" ارشاد ہوا، "جاؤ اوران کی خدمت کرو"۔ گویا ماں باپ کی خدمت کو حضور ﷺ نے جہاد کا نام دیا۔

روایت ہے، کہ ایک آدمی زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا۔ اس شخص کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس یہ بات پہنچائی گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا اس کی ماں زندہ ہے؟ "صحابہ نے عرض کیا۔ "ہاں" یارسول اللہ!" آپ ﷺ نے اس شخص کی والدہ کو طلب کیا۔ جب اس شخص کی ماں آپ ﷺ کے پاس آئی، تو اس نے عرض کی، "یارسول اللہ ﷺ میں اپنے بیٹے سے سخت ناراض ہوں"۔ یہ سب سن کر حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا؛ کہ لکڑیاں اکٹھی کی جائیں۔ لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے۔ آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ "اس شخص کو آگ میں ڈال دو"۔ یہ سب سن کر ماں کی ممتا جاگ اٹھی۔ اس شخص کی ماں نے حضور ﷺ سے عرض کی "اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے کو آگ میں نہ پھینکا جائے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم اپنے بیٹے کو معاف نہیں کرو گی، تو اللہ تعالیٰ تیرے بیٹے کو دوزخ کی آگ میں پھینک دیں گے"۔ یہ سب سن کر ماں نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا اور اس کے منہ سے کلمۂ توحید جاری ہو گیا۔

ان سب واقعات کو مدِّ نظر رکھ کر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں، کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ماں باپ کی خدمت اوران کا احترام کرنے پر کتنا زور دیا ہے۔

دنیا کے ہر مذہب میں والدین کی اطاعت اور خدمت کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم مذہب اسلام کے ماننے والے ہیں۔ وہ بھی ہمیں یہی بتا تا ہے، کہ ہم اپنے والدین کی عزت کریں۔ ایسی اولادیں جو اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتیں؛ وہ دنیا میں تو ہر چیز حاصل کر لیتی ہیں؛ لیکن اپنا سامانِ آخرت برباد کر لیتی ہیں۔

اولاد کا یہ فرض ہے؛ کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اوران کا احترام کرے۔ دنیا اور آخرت میں وہی انسان کامیاب ہوتا ہے؛ جس نے اپنے ماں باپ کی خدمت کی۔ وہ شخص ناکام ہو جاتا ہے، جو اپنے والدین کا احترام اور خدمت کرنے سے محروم رہا۔

پس ہمارا یہ انسانی، اخلاقی اور دینی فرض ہے، کہ اپنے والدین کی دل و جان سے خدمت کریں۔ ان کا ہر حکم خوش دلی سے بجالائیں۔ جو لوگ اپنے والدین کی فرمانبرداری کرتے ہیں؛ کل وہی لوگ اپنی اولاد سے فرمانبرداری کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جو خدمت نہ کی تو نے ماں باپ کی
تو پھر زندگی ہے تیری پاپ کی

☆☆☆☆☆☆☆

(9) آبِ زم زم

☆ مفہوم	☆ تاریخی پس منظر	☆ گرمی کی شدت
☆ پانی کی جستجو	☆ خدا سے التجا	☆ حضرت اسماعیل کی بے چینی اور خدا کی رحمت
☆ سعی رکن حج کی وجہ	☆ آب زم زم ایک معجزہ	☆ تاریخ اور اہمیت
☆ زم زم اور نبی رحمت	☆ معدنی اجزا	☆ آب زم زم شفا

"آب" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی "پانی" ہے جبکہ "زم" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معانی ہیں ہے "ٹھہر جا"۔

حضرت ابراہیمؑ، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر گزرے ہیں۔ اللہ نے ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپؑ کے بیٹے حضرت

اسمٰعیلؑ بھی پیغمبر تھے۔ ابھی حضرت اسمٰعیلؑ شیر خوار ہی تھے، کہ اللہ کی جانب سے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم خداوندی ہوا کہ ''اپنے شیر خوار بچے اور بوڑھی بیوی کو صحرا میں تنہا چھوڑ کر آؤ''۔ آپؑ نے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی آپؑ حضرت حاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کے صحرا میں تنہا چھوڑ آئے۔

حضرت حاجرہؑ اپنے ننھے شیر خوار کے ساتھ صحرا میں ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ کر اللہ کی مدد کا انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سورج بلند ہوا، تو صحرا کی گرمی بڑھنے لگی۔

جیسے جیسے سورج بلند ہوتا گیا؛ ویسے ویسے صحرا جلتے ہوئے تنور کی مانند گرم ہوتا گیا۔ ہوا کے گرم جھونکے شعلوں کی طرح لگنے لگے۔ ذرا سی دیر میں پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ ماں اور بچے کے ہونٹ پیاس کے مارے خشک ہو گئے۔ حضرت حاجرہؑ گھبرائیں اور ننھے اسمٰعیلؑ کے لیے پانی لانے کا سوچنے لگیں۔

حضرت حاجرہؑ نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی؛ مگر وسیع و عریض صحرا میں پانی کہاں سے ملتا؟ پھر ٹیلوں کے اردگرد چکر لگائے، کہ شاید کہیں سے پانی مل جائے۔ جب ننھے اسمٰعیلؑ کا خیال آتا؛ تو دوڑ کر اس خیال سے واپس آ جاتیں؛ کہ کہیں کوئی جانور انھیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح انھوں نے پانی کی تلاش میں صحرا میں کئی چکر لگائے۔

پھر انھوں نے اللہ سے دُعا فرمائی کہ ''اے ہمارے ربّ! اس صحرا میں ہمارے لیے پانی کا چشمہ بہا دے۔ میرے معصوم بچے کو پانی عطا فرما دے اور اس ننھی جان پر کرم فرما دے''۔

ننھے اسمٰعیلؑ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو چکے تھے۔ حضرت حاجرہؑ پانی کی تلاش میں صحرا میں عالمِ دیوانگی میں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت حاجرہؑ کی حالت دیکھ کر رحمتِ الٰہی کو جوش آیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے پیاس کی شِدّت سے جہاں پاؤں رگڑے تھے، وہیں سے ایک چشمہ پھوٹ گیا۔

جب حضرت حاجرہؑ پانی کی تلاش کے بعد واپس آئیں؛ تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے پاؤں کے قریب سے زمین سے پانی نکل رہا ہے۔ انھوں نے پانی کے اردگرد ریت کی رکاوٹ بنا دی، تاکہ پانی ادھر ادھر نہ بہے۔ جب پانی شدت سے نکلنے لگا؛ تو انھوں نے کہا کہ ''زم زم''، یعنی ٹھہر جا ٹھہر جا۔ اس حکم کو سن کر پانی وہیں ٹھہر گیا۔ اسی وجہ سے اس چشمے کا نام آبِ زم زم پڑ گیا۔

حضرت حاجرہؑ نے پانی کی تلاش میں دو پہاڑوں صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے تھے۔ اللہ کو ان کی وہ ادا اتنی پسند آئی، کہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے حج اور عمرہ کے دوران اسی جگہ کے اتنے ہی چکر کاٹنے لازمی قرار دے دیے گئے۔ اس کے بغیر عمرہ اور حج قبول نہیں ہوتا۔

آپ ﷺ جب تک مکہ میں رہے، آب زم زم بڑے احترام کے ساتھ پیتے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو صلح حدیبیہ کے موقع پر منگوا کر پیا۔ واپسی میں ساتھ لے کر آئے۔ ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہ کرام بھی سفرِ حج کے بعد واپسی میں ہمراہ لایا کرتے تھے اور یہ پیاری رسم اسی ذوق و شوق سے آج بھی جاری ہے۔

حج کے دنوں میں اور ان کے بعد حجاج اور زائرین کو پانی پلانا ہر دور میں عزت کا باعث سمجھا جاتا رہا ہے۔ قریش نے پانی پلانے کی خدمت کے لیے ''السقایا'' کا شعبہ قائم کیا تھا۔ جس کی یادگار لفظ ''سقہ'' اردو میں بھی پانی لانے اور پلانے والوں کے لیے موجود ہے۔ قیامِ مکہ کے دوران حجاج اپنے لیے کفن کا کپڑا خرید کر اس متبرک پانی میں بھگو کر خشک کر کے اپنے وطن واپس لے جاتے ہیں۔ زم زم کو پینے کے لیے ساتھ لے جانے آبِ زم زم کو نبی ﷺ نے ہمیشہ بڑا احترام اور اہمیت دی۔ ایک مرتبہ کنویں کے پاس کھڑے ہو کر پانی نکالنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زم زم کا پانی جس غرض سے بھی پیا جائے، اسی کے لیے مفید ہوگا۔ اگر شفا کی غرض سے پیا جائے؛ تو اللہ اس سے تسلی دے گا۔ اگر سیراب ہونے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں سیراب کرے گا۔ اگر تم اللہ سے کسی سلسلہ میں پناہ لینے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں پناہ دے گا۔

آبِ زم زم کے شفائی کمالات اور اس کے عجیب و غریب اثرات ساری دنیا کے لیے حیرت کا باعث ہے ہیں۔ لوگ ہمیشہ یہ جاننے کی کوشش کرتے رہے کہ اس میں کون سے ایسے اجزاء ہیں جو اسے پیاس کے لیے مسکن، بھوک کی تسلی اور بیماری سے شفا دینے والا ہے۔ زم زم میں موجود کیمیائی عناصر کی ترکیب ملی گرام فی لٹر یہ ہے۔

Minerals Mass concentration as reported by researchers at King Saud University.

- ☆ Sodium 133 mg/L
- ☆ Calcium 96 mg/L
- ☆ Magnesium 38.88 mg/L
- ☆ Potassium 43.3 mg/L
- ☆ Bicarbonate 195.4 mg/L
- ☆ Chloride 163.3 mg/L
- ☆ Fluoride 0.72 mg/L
- ☆ Nitrate 124.8 mg/L
- ☆ Sulfate 124.0 mg/L
- ☆ pH 8
- ☆ Total dissolve alkalinity 835 mg/L

مکہ مکرمہ سے 18 میل دور نہر زبیدہ جواب ختم ہو چکی ہے صرف آثار باقی ہیں کے دامن میں جبل عرفات کے قریب ایک کنواں واقع ہے۔ اس کے پانی کے کیمیاوی اجزاء زم زم سے قریب تر ہیں، لیکن جو جمال کی چیزیں آبِ زم زم میں ملتی ہیں وہ اس کنویں میں نہیں۔

مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ذیابیطس کا جو بھی مریض حج کرنے گیا۔ اس نے باقاعدگی سے زم زم پیا۔ اس کے خون اور پیشاب سے شکر ختم ہو گئی۔ جتنی دیر وہ حجاز مقدس میں رہا، اس کو انسولین کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔ یہ حقیقت ہے۔ اسی قسم کا مشاہدہ بلڈ پریشر کے بارے میں بھی ہے۔ حج کے دوران بلڈ پریشر کے کسی مریض کو کبھی کسی دوائی کی ضرورت نہیں پڑی۔

زم زم پینے کے بعد پیٹ کی گرانی فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ تیزابیت جاتی رہتی ہے اور بھوک باقاعدگی سے لگنے لگتی ہے۔ آبِ زم زم اس وقت سے لے کر آج تک چشمے کی صورت میں اسی جگہ بہہ رہا ہے۔ یہ دنیا کا بہترین پانی ہے۔ جس میں شفا ہے۔ اسی جگہ مکہ کا مقدّس شہر آباد ہوا۔ وہیں پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا۔ آبِ زم زم کے چشمے سے اب تک اربوں انسان پانی پی چکے ہیں۔ اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ اللہ کا خاص معجزہ اور کرم ہے۔ اس سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ کی آزمائش پر پورے اُترتے ہیں، اللہ انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں عزت و عظمت سے نوازتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

(10) عیدین

- ☆ مفہوم اور عیدین
- ☆ عیدالفطر کا تاریخی پس منظر
- ☆ عید کا چاند
- ☆ عید کی تیاریاں
- ☆ عیدالاضحیٰ کا تاریخی پس منظر
- ☆ عیدالاضحیٰ کا دن
- ☆ خلاصہ کلام

''عیدین'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا واحد عید یعنی ''خوشی'' ہے مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ ایک عیدالفطر، دوسری عیدالاضحیٰ۔ عیدالفطر، رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد یکم شوال کو منائی جاتی ہے۔ یہ عید منانے سے قبل فطرانہ کی ادائیگی کرنا لازم ہے؛ جو کہ دو سیر گندم یا اس کی قیمت سے کچھ زائد رقم غریبوں میں تقسیم کرنے کے مساوی ہے۔ فطرانہ دینے کے بعد عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ زکوٰۃ اور فطرانہ دینے کا مقصد غریب اور مسکین مسلمانوں کو بھی زندگی کی خوشیوں میں شریک کرنا ہے۔

جب رمضان المبارک کی انتیس تاریخ ہوتی ہے؛ تو لوگ عید کا چاند دیکھنے کے لیے اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ بچوں اور خواتین

میں خصوصاً بڑا جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ سبھی کو ہلال دیکھنے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جس رات چاند نظر آ جائے، اگلی صبح کو عیدالفطر منائی جاتی ہے۔ ہیں بعض اوقات تیس روزے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں تیس رمضان کو چاند نظر آتا ہے۔ اس رات کو چاند رات کہتے ہیں۔

عیدالفطر کی تیاریاں عام طور پر رمضان کے آخری ہفتے میں شروع ہو جاتی ہیں۔ چاند رات تک یہ تیاریاں عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ بازاروں میں مرد، خواتین اور بچے خریداری کرتے ہیں۔ ہر طرف رونق ہوتی ہے۔ عید کے دن گھروں میں نمازِ فجر کے بعد سوئیاں پکا کر ہمسایوں کے گھر بھجوانے کا رواج عام ہے۔ پھر نماز عید کے بعد رشتے داروں سے ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ادھر چاند نظر آیا۔ ادھر نوبت نقارے بجنے لگے اور ڈھول پیٹنے لگے۔ اس قدر چہل پہل اور گہما گہمی ہوئی جیسے شام کی خاموشی جاگ اٹھی۔ بچوں کے نئے، اجلے اور خوبصورت کپڑے دیکھے گئے۔ لڑکیوں اور عورتوں نے مہندی لگائی۔ رات اسی ذوق وشوق میں گزر گئی۔

یہ صبح جنت کی صبح سے کم نہیں ہوتی۔ بچے خوشی سے قہقہے لگاتے ہیں۔ بزرگوں سے عیدی وصول کرتے ہیں۔ گھر گھر سویاں، حلوے اور کھیر پکائی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں "عیدالفطر کے دن جب تک رسول اللہ ﷺ چند کھجوریں نہ کھا لیتے، عید گاہ کو تشریف نہ لے جاتے۔ آپ ﷺ طاق کھجوریں کھاتے یعنی تین، پانچ، سات، نو وغیرہ۔"

ہمیں بھی آپ ﷺ کی اس سنت پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ بچے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ بزرگ بھی اجلے لباس میں ملبوس ہو کر تیار ہو جاتے ہیں اور عید گاہ کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں پوری اجتماعی شان کے ساتھ خدا کے حضور میں دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔ فضا میں ایک ہی آواز گونج رہی ہوتی ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

اللہ اللہ، کیسا انوکھا ہے یہ دین! خوشی منائی جا رہی ہے لیکن اس کا اظہار جذبہ تشکر وعبودیت سے ہوتا ہے۔ اس دین میں مادہ پرستانہ طرزِ فکر و نظر کا کیا گزر ہو سکتا ہے جو کچھ ہے اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ خوشی ہے تو اسی کے بتائے ہوئے آداب کے مطابق۔ غم ہے تو اسی کے بتائے ہوئے طرزِ عمل کی روشنی میں۔ مسلمان خوشی میں خدا کو بھولتا ہے اور نہ غمی میں۔

نمازِ عید کی دو رکعتیں پڑھ کر بزرگ گھر چلے آتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں "عید کے دن رسول ﷺ دو مختلف راستوں سے آتے جاتے تھے۔" ہمیں آپ ﷺ کی اس سنت کو بھی ضرور نگاہ میں رکھنا چاہیے۔

بچے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ مٹھائی اور پھلوں کی دکانوں پر خوب چہل پہل ہوتی ہے۔ رنگ برنگ مٹھائیاں تھالوں میں سجی ہوتی ہیں۔ بچے غبارے خریدتے اور پتنگ اڑاتے ہیں۔ ننھی ننھی بچیاں باغوں میں جھولا جھولتی ہیں۔ کوئی جھلاتی اور کوئی جھولتی ہے۔

اسی طرح عید کے دو تین دن خوشگوار لمحات کی طرح گزر جاتے ہیں۔

دوسری عید کو عیدالضحیٰ یا "بقرہ عید" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرو۔ جب حضرت ابراہیم نے ایسا کرنا چاہا؛ تو اللہ نے جنت سے دُنبہ بھیج دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی بجائے اس دنبہ کی قربانی کا حکم دیا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں پر عید کے دن حضرت ابراہیمؑ کی سنت کی پیروی میں قربانی کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ تاہم غریب اور نادار مسلمان اس فرض سے مستثنیٰ ہیں۔

عیدالفطر کی طرح عیدالاضحیٰ کا تہوار بھی بڑی شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں صبح سویرے اٹھتے ہیں۔ نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ نہا دھو کر نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ مرد عید گاہ کی راہ لیتے ہیں جبکہ عورتیں عید کے رنگا رنگ پکوان پکانے میں لگ جاتی ہیں۔ عیدالفطر کے برعکس اس عید پر قربانی سے پہلے کچھ نہ کھانا سنت رسول ﷺ ہے۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ "عیدالفطر کے دن جب تک رسول ﷺ کچھ کھا نہ لیتے عید کو نہ جاتے۔ عیدالاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے۔"

لوگ بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے عید گاہ کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ تب مسلمان بڑے ادب سے خطبہ سنتے اور علمائے کرام کے مواعظِ حسنہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیتے ہیں اور معانقہ کرتے ہیں۔ پھر وہ تکبیر پڑھتے

ہوئے اپنے گھروں کو واپس آجاتے ہیں۔ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کر ڈالا اس کو چاہیے کہ وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوئی اور اس نے ہمارے طریقہ پر عمل کیا۔''

اس اعید کی خوشی تین تک متواتر رہتی ہے اور ہر روز جشن کی کیفیت ہوتی ہے۔ عیدالضحیٰ دس ذوالحج سے بارہ ذوالحج تک جاری رہتی ہے۔ عیدالضحیٰ کا دن بھی نمازِ فجر سے شروع ہوتا ہے۔ نماز کے بعد لوگ اپنے بکروں، دُنبوں، اونٹوں اور بیلوں یا گائے وغیرہ کو نہلا دُھلا کر قصاب کو بلواتے ہیں۔ نمازِ عید ادا کر کے پورے اہتمام سے قربانی کی جاتی ہے۔ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت عزیزوں، محلے داروں اور غرباء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ غریب اور مسکین لوگ بھی جی بھر کے گوشت کھا سکیں۔ اس طرح یہ دن بھی بڑی چہل پہل اور خوشی کا پیام بر ثابت ہوتا ہے۔ یہ عید تین دن تک جاری رہتی ہے۔ ہر طرح سنتِ ابراہیمؑ کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

عیدین کے تہوار تمام مسلمانوں میں مساوات، بھائی چارہ اور یگانگت و محبت کے جذبات اُبھارنے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں تفریح، خوشی اور میل جول کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆